سلسلہ **دعوات عبدیت** کے

حصہ اوّل کا دوسرا تیسرا وعظ

مہمات الدعا (حصہ اول و دوم)

منجملہ ارشادات

حضرت حکیم الامّت مجدّد الملّت عالم ربّانی مولٰنا و مقتدانا حاجی حافظ
قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہٗ

بہ تصحیح

محمد سراج الحق مچھلی شہری

ناشر:- مکتبۂ جامی واخوانہ حسن منزل الہ آباد

باہتمام عبد المجید اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپا

صفر المظفر سنہ ۱۳۷۴ھ اکتوبر سنہ ۱۹۵۴ء

فہرست مضامین وعظ مہمات الدعاء

حصۂ اوّل

حصۂ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ دعوات عبدیت

جلد اوّل وعظ ۳

مہمّات الدّعاء

حصۂ اوّل

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۹ صفر ۱۳۳۰ھ بروز جمعہ	قریب دو گھنٹہ	بیٹھ کر	بیان تنبیہات متعلقہ دعا	مولوی نور حسین صاحب پنجابی	۔	۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ مجھے پکارا کرو میں ہی تمہاری پکار سنونگا اور (خوب سن رکھو کہ) جو لوگ میری اس غلامی (دعا مانگنے) سے غرور کرتے ہیں تو یہ سب ضرور جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہونگے ۱۲ مرتب) اس آیت کے مضمون ہی سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ آج کا مقصود وعظ، بیان تنبیہات متعلقہ دعا ہے اور شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ہم تو دعا کیا کرتے ہیں اور اسکی ضرورت وغیرہ کو بھی جانتے ہیں پھر کیوں تنبیہ کی جاتی ہے کیونکہ تنبیہ تو اس امر میں ضروری ہے جسکو جانتا نہ ہو یا کرتا نہ ہو سو ضرورت تنبیہ کی یوں ہے کہ باوجود جاننے اور کرنے کے بھی جب دعا کے بارے میں تغافل برتا جاتا ہے یعنی اسکے ضروری آداب و شرائط سے بے پروائی کیجاتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانی ہوئی چیزوں سے بھی بڑھکر کوئی قوی حجاب ہے کیونکہ مجہولات میں تو صرف جہل حجاب ہے کہ اسکا رفع ہونا سہل ہے اور جانی ہوئی چیز میں جب ایسا معاملہ کیا

جائے تو وہ حجاب زیادہ سخت ہوگا اور ہرچند کہ یہ تغافل اور قلب کا حاضر نہ ہونا سب عبادتوں میں قبیح ہے مگر دعا میں اقبح ہے وجہ یہ کہ عبادات میں گو اصل مقصود معنی ہے مگر تاہم ایک درجہ میں صورت بھی مقصود ہے بخلاف دعا کے کہ اسمیں صرف معنی ہی معنی مقصود ہیں اور وہ نیاز و افتقار و انکسار و خشوع قلب ہے جب یہ بھی نہ ہوا تو وہ دعا کیا ہوئی۔ بیان اسکا یہ ہے کہ مثلاً نماز ہے کہ قرائن سے اسمیں علاوہ مقصود معنوی یعنی توجہ الی اللہ کے صورت بھی مراد اور مطلوب ہے کہ اُسکے قیود ظاہری سے مفہوم ہوتا ہے مثلاً وضو۔ جہت قبلہ۔ وقت۔ تعین رکعات وغیرہ اب اگر کوئی شخص بغیر حضور قلب کے رکوع و سجود وغیرہ شرائط سے نماز پڑھ لے تو گو مقصود معنوی توجہ الی اللہ اسمیں نہیں ہوئی مگر فقیہ عالم یہی حکم دیگا کہ فرض ادا ہوگیا اس سے ثابت ہوا کہ صورت بھی کسی درجہ میں مطلوب ہے اور اُسکی تحقیق سے صحت صلوٰۃ کا فتویٰ صحیح ہوا اس تقریر سے اُن بیدینوں کا یہ شبہ بھی رفع ہوگیا جو کہا کرتے ہیں کہ صاحب دل تو حاضر نہیں پھر نماز کیا پڑھیں معلوم ہوا کہ علاوہ حضور قلب کے کہ معنی اور حقیقت ہے نماز کی یہ صورت ظاہری رکوع و سجود بھی مقصود ہے۔ دوسری نظیر لیجئے۔ روزے سے مقصود معنوی قوت بہیمیہ کا توڑنا ہے یہی دراصل مطلوب ہے مگر بااینہمہ اگر کوئی شخص سحری کو ایسا پیٹ بھر کھالے کہ افطار تک اسکو بھوک ہی نہ لگے تو اس صورت میں قوت بہیمیہ تو کچھ بھی نہیں ٹوٹی مگر روزے کی چونکہ ظاہری صورت پوری ہوگئی ہے روزہ صحیح ہوگیا۔ تیسری نظیر اور لیجئے۔ زکوٰۃ کہ مقصود معنوی اس سے اغنار مساکین (غنی بنانا) ہے مگر بااینہمہ اس کیلئے ایک خاص مقدار، ایک خاص وقت معین ہے جس سے مقصودیت صورت ایک درجہ میں یہاں بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اغنار تو ان امور پر موقوف نہیں لیکن دعا میں نہ کسی وقت کی شرط ہے نہ زبان عربی کی شرط نہ کسی خاص جہت کی شرط نہ کوئی مقدار معین نہ وضو وغیرہ کی قید اسمیں صرف عاجزی۔ نیازمندی۔ اپنی احتیاج کا اظہار اپنے مولا کے آگے بس یہ کافی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صورت پر بالکل نظر نہیں معنی ہی معنی مقصود ہیں۔ پس اب یہ صرف زبانی دعا کہ آموختہ سا رٹا ہوا پڑھ دیا۔ نہ خشوع نہ خشیت۔ نہ دل میں اپنی عاجزی کا تصور۔ یہ خالی از معنی دعا کیا ہوئی اس بے توجہی کی مثال تو ایسی ہوئی جیسے کوئی شخص کسی حاکم کے ہاں عرضی دینا چاہے اور اسطور پر عرضی پیش کرے کہ حاکم کیطرف پیٹھ کرے اور منہ اپنا کسی دوست یار کیطرف کرکے اس عرضی کو پڑھنا شروع کرے۔ دو جملے پڑھ لئے پھر یار دوست سے ہنسی مخول کرنے لگے اور پھر دو جملے پڑھ دیئے اور اُدھر مشغول ہوگئے۔ اب سوچ لینا چاہئے کہ حاکم کی نظر میں ایسی عرضی کی کیا قدر ہوسکتی ہے بلکہ اُلٹا یہ شخص قابل سزا ٹھہرایا جائیگا بس یہی معاملہ ہے دعا کا دعا میں جبتک پورے طور پر قلب کو حاضر نہ کریگا اور عاجزی اور فروتنی کے آثار اس پر نمایاں نہ ہونگے وہ دعا۔ دعا نہیں خیال کیجا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قلب کی حالت کو دیکھتے ہیں ٥

ما بروں را ننگریم و قال را ما دروں را بنگریم و حال را

(ہم جسم کی ظاہری حالت دیکھتے ہیں اور نہ باتوں کو دیکھتے ہیں ہم تو بس دل کو اور اسکی حالت کو دیکھتے ہیں۔)

ناظر قلبیم گر خاشع بود گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود

(ہم تو دل کو دیکھتے ہیں اگر دل میں عاجزی ہو تو ٹھیک ہے .... چاہے کہا ہوا لفظ کیسا ہی بھونڈا کیوں نہو)

حدیث شریف میں ہے ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم ولٰکن ینظر الیٰ قلوبکم (اللہ صورت نہیں دیکھتا دل دیکھتا ہے) اور آیت اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ الخ (میں اپنے دل کا رخ موڑتا ہوں) میں وجہی سے بھی مراد یہی وجہ قلب ہے ورنہ برتقدیر وجہ ظاہری کے خداوند تعالیٰ کا ذو جہت ہونا لازم آئیگا کیونکہ معنی تو یہی ہیں کہ میں نے اپنی وجہ کو خدا تعالیٰ کیطرف کیا اور ظاہر ہے کہ وجہ ایک خاص سمت میں ہوگا۔ تو گویا ذات منزہ اُسی سمت میں ہوگی۔ یہ تو محال ہے عقلاً اور شرعاً کیونکہ وہ قیود سے منزہ ہے چنانچہ اینما تولوا فثم وجه الله (جدھر بھی رُخ کروگے اُسی طرف اللہ کی ذات موجود ہے) اس کی شرعی دلیل ہے اور اس نفی جہت و تنزہ عن القیود سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ذات باری میں تشخص اور تعین نہیں ہے جیسا کہ بعض کے کلام سے متوہم ہوتا ہے کیونکہ بدون تشخص اور تعین کے تو کسی شے کا وجود خارجی محال ہے البتہ اُسکی ذات کے لائق تشخص و تعین ہے کہ ہم اس تشخص و تعین کی حقیقت و کنہ کا ادراک نہیں کرسکتے اور اگر شبہ ہو کہ جیسے وجہ کیلئے جہت ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی قلب کی بھی تو کوئی جہت ہوگی وہی اشکال یہاں لازم آئیگا۔ تو جواب یہ ہے کہ قلب سے مراد یہ مضغہ صنوبری نہیں بلکہ قلب ایک لطیفہ غیبی ہے مجردات سے اور ہر چند کہ بعض متکلمین کا اسمیں اختلاف ہے کہ مجردات کا وجود ہے یا نہیں مگر محققین صوفیہ کا یہ مکشوف ہے کہ بعض اشیا مجردات سے ہیں مگر حادث ہیں ذاتاً بھی اور زماناً بھی اور یہی فرق ہے درمیان صوفیا اور حکماء کے کیونکہ حکما مجردات کو صرف ذاتاً حادث مانتے ہیں اور زماناً قدیم مانتے ہیں اور متکلمین کے پاس نفی مجردات کی جبکہ وہ زماناً بھی حادث ہوں کوئی دلیل سالم نہیں اور یہ مضمون کہ قلب سے مراد ایک لطیفہ غیبی ہے اور مجرد عن المادہ ہے یہ ٹکڑا گوشت کا مراد نہیں جو کہ ذو جہت ہے علاوہ کشف کے ہمارے ایک محاورے سے بھی جو کہ روزمرہ بولا جاتا ہے بالکل واضح ہوجاتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ہمارا دل اسوقت بازار میں ہے اور فرض کیجئے کہ ہم اُسوقت بازار میں موجود نہوں۔ اور مقصود محاورات سے حقائق علمیہ پر استدلال کرنا نہیں محض تنویر اور تقریب ہے غرض یہ بات پورے طور پر ثابت ہوگئی کہ دُعا میں حضور اور خشوع ہی مقصود ہے اگر بے اسکے بھی کیسی دعا قبول ہوجائے تو اُسکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ خداوند تعالیٰ کا محض ابتدائی احسان ہے دعا کا اثر نہیں یہ ایک تمہید تھی مضمون دعا کی۔ اب آیت کا مضمون سنئے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس آیت میں بڑے اہتمام سے دعا کا مضمون بیان فرمایا ہے چنانچہ شروع میں یہ تصریح فرمائی کہ وقال ربکم حالانکہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہی ہے مگر پھر اُسکو اسلئے ظاہر فرمادیا کہ اسکی تاثیر نفس میں قوی ہوجائے

ہو جائے اور مضمون ما بعد کی وقعت دلوں میں زیادہ ہو پھر لفظ ربکم ارشاد فرمایا اسمیں بوجہ اظہار ربوبیت گویا اشارہ ہے دعا کے قبول کر لینے کا اسطور پر کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے تمھاری پرورش کرتے آئے ہیں حتیٰ کہ بدون تمھاری درخواست کے بھی کی ہے تو کیا تمھاری عرض کو درخواست کرنے پر بھی قبول نکرینگے نہیں ضرور قبول کرینگے ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود ۔۔۔ لطفِ تو ناگفتۂ ما می شنود

(ہم اُسوقت نہ موجود تھے اور نہ ہمارا کچھ تقاضا تھا بس لے خدا تیری مہربانی تھی جو ہماری بے مانگی درخواست بھی سُن رہی تھی)

آیت اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّہٰتِکُمْ الخ (یاد کرو کہ اللہ نے تم کو زمین سے اٹھایا اور یہ کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے) میں اسی تربیت بے درخواست کا ذکر فرمایا ہے اسکے بعد پیدائش کے بعد کیحالت قابل غور ہے کہ یہ حالت ایسی تھی کہ کسی قسم کی تمیز اور شعور اُسوقت تک نہوا تھا اس حالت میں اگر تمام دنیا کے حکما سقراط بقراط وغیرہ اکٹھا ہو کر صرف اتنی ہی تدبیر کرنا چاہیں کہ بچہ دودھ پینا سیکھ جائے تو ہرگز وہ قیامت تک اُسپر قادر نہیں ہو سکتے یہ اُسی قادر ذوالجلال کی حکمت اور اُس کی رحمت اور عنایت ہے کہ اُسنے بچے کو دودھ چوسنا سکھایا حکما کہیں گے کہ یہ خود طبیعت کا فعل ہے مگر جبکہ خود وہ طبیعت ہی کو بے شعور مان چکے ہیں تو ایسے پر حکمت کام کا اسکی طرف منسوب کرنا بے شعوری نہیں تو اور کیا ہے تیسرا اہتمام ربکم کی اضافت ہے گویا فرماتے ہیں کہ ہم تمھارے ہی ہیں تم ہم سے مانگو اور اسی کی نظیر دوسری آیت میں اضافت ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس الی قولہ کان بعبادہ بصیرا حالانکہ یہاں عباد ماخوذین (گرفتار بندوں) کا ذکر ہے مگر انکو بھی اپنی طرف مضاف فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا رحمت ہے اس آیت کے متعلق ایک فائدہ علمیہ تفسیریہ سمجھنے کے قابل ہے کہ آدمیوں کے مواخذے کی تقدیر پر تمام دواب (جانور) کے ہلاک کو کیسے مرتب فرمایا تو وجہ اُسکی یہ ہے کہ سب چیزیں انسان ہی کیلئے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی تمام چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے ہی لئے پیدا کی ہیں خواہ انکا نفع بلاواسطہ تم کو پہونچے یا واسطہ در واسطہ پس چونکہ انسان کیلئے ہی سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔ اسلئے انسان اگر گناہ پر ہلاک کیا جاتا تو دوسری چیزیں بھی اسلئے ہلاک کیجاتیں کہ جب وہی نہ رہا جسکے لئے یہ سامان تھا تو پھر اس سامان کی کیا ضرورت جب آدمی نہوں تو پھر خیمے ڈیرے و دیگر اسباب سامان کس کام کے البتہ یہ شبہ اور باقی رہگیا کہ بُروں کو تو اُنکے بُرے کام کی سزا ملتی ہے اور نیک آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا جاتا سو اسکا جواب یہ ہے کہ اچھے آدمی قدرے قلیل ہوتے ہیں اور انسان کی ضرورتیں تمدن و آسائش کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ تھوڑے آدمی ہرگز انکو پورا نہیں کر سکتے پھر اگر بُروں کے بعد نیک زندہ رہتے تو انکو جینا وبال ہو جاتا اُنکے لئے یہ مرنا ہی مصلحت و رحمت ہونا اس سے بڑھکر مقدمہ دعا میں اس آیت میں یہ اہتمام فرمایا کہ دعا نہ کرنیوالوں کیواسطے ترہیب فرمائی کہ ان الذین یستکبرون الخ اس موقعہ پر ایک فائدہ علمیہ کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے (جھلک) کہ یہ ترہیب (ڈر)

اعراض عن الدعا یہ ہے وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو مادہ دعا کا اور ترتیب میں مادہ عبادت کا چنانچہ یستکبرون عن عبادتی ہے یستکبرون عن دعائی نہیں ہے اور تطابق ضروری ہے اسلئے یا تو دعا بمعنی عبادت لیا جائے یا عبادت بمعنی دعا قرار دیا جائے احتمال دونوں فی نفسہ برابر ہیں۔ مگر چونکہ کلام مجید کا سمجھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص نہیں ہو سکتا کیونکہ مخاطب اول آپ ہی ہیں اسلئے اسکے تعین کیلئے حدیث کو دیکھا گیا سو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے الدُّعاءُ مخّ العبادۃ (یعنی دعا ہی عبادت کا مغز ہے اور دعا ہی خود عبادت ہے ۱۲ مرتب) اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ دعا اپنے معنی پر ہے اور عبادت سے مراد یہاں خاص دعا ہے۔ ان اہتماموں سے دعا کی شان و عظمت کس درجہ ظاہر ہوتی ہے۔

ایک خصوصیت خاص دعا میں اور عبادات سے زیادہ یہ ہے کہ اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کیلئے ہوں تو عبادت نہیں رہتیں۔ مگر دعا ایک ایسی چیز ہے کہ یہ اگر دنیا کیلئے ہی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے مثلاً مال مانگے دولت مانگے۔ یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے جب بھی ثواب کا مستحق بنے گا برخلاف اور عبادات کے کہ اگر انمیں دنیوی حاجت مطلوب ہو تو ثواب نہیں ملتا چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر طبیب نے کسی کو رائے دی کہ تم آج دن کا کھانا نہ کھاؤ اگر کھایا تو ضرر کریگا اسنے کہا لاؤ آج روزہ ہی رکھ لیں پس روزہ رکھ لیا تو اسکو خالص روزے کا ثواب نہ ملیگا کیونکہ اسکو دراصل روزہ رکھنا مقصود نہیں۔ ایسے ہی کوئی شخص مسافرت میں اس نیت سے مسجد کے اندر اعتکاف کر لے کہ سرا کے کرایہ وغیرہ سے بچوں گا تو اسکو خالص ثواب اعتکاف کا نہ ملیگا۔ مگر دعا میں یہ بات نہیں چاہے کتنی ہی حاجتیں دنیوی مانگو مگر پھر بھی ثواب ملیگا اور دعا میں یہ خصوصیت اسلئے ہے کہ دعا سراسر نیازمندی ہے اور عجز و انکسار اور اظہار عبدیت و احتیاج۔ اور یہ دنیا کے مانگنے کے وقت بھی متحقق ہے اور نیازمندی خود ایک بڑا محبوب عمل ہے کیونکہ جہاں نیازمندی ہوگی وہاں کبر نہیں رہیگا اور کبر اور خودی بھی بڑا مبغوض اور بڑا حائل ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری (غرور اور بڑائی تو میری رداء اور ازار ہیں) رداء اور ازار سے مراد یہ کہ دونوں میرے وصف خاص ہیں کہ کوئی دوسرا ان دو وصفوں کا مدعی مُحِق نہیں ہو سکتا اور حضرتؒ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ منام میں جناب باری سے عرض کیا دُلّنی علی اقربِ الطُّرُقِ الیکَ (مجھے اپنے پاس آنے کا قریب ترین راستہ بتا دیجئے) جواب ارشاد ہوا دع نفسکَ وتعال (بس اپنے نفس کی پیروی چھوڑ دو تو مجھ تک آسکو گے)، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو کیا خوب فرمایا ہے فرماتے ہیں ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

(عاشق و معشوق کے درمیان تو کوئی چیز حائل ہو ہی نہیں سکتی اے حافظ بس تیری خودی ہی اپنے لئے رکاوٹ بنی ہوئی ہے اسے بیچ سے اٹھا دے)

؎ تو در و گم شو وصال ایں است و بس — گم شدن گم کن کمال ایں است و بس

(تو اپنے کو محبوب کی رضا میں فنا کر دے بس یہی وصال ہے ۔ اور کمال کا درجہ یہ ہے کہ اس فنا کو بھی بھول جا)

حاصل یہ کہ اپنی خودی کو مٹا دو یہانتک کہ اس مٹانے پر بھی نظر نہ رہے یعنی اس صفت فنا پر بھی نظر نہ رہے اور اسکا نام اصطلاح میں فناء الفناء ہے اور اسکو شاعرانہ مضمون نہ سمجھا جائے کہ مٹانیکو بھی مٹا دو اسکے نظائر تو روزمرہ واقع ہوتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ فناء الفناء کی توضیح اس مثال سے اچھی طرح ہوسکتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی دلربا معشوق ہو اور عاشق اسکے خیال میں مستغرق ہو اس حالت میں اس عاشق کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں خیال کر رہا ہوں کسیکو یاد کیجئے اس یاد کیطرف ذرا بھی ذہن نہیں جاتا آدمی سوتا ہی مگر اسوقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں اور اگر یہ خبر ہو جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ہے اور ان احوال عالیہ کو سنکر یہ نا اُمیدی نہ چاہئے کہ بھلا ہمکو یہ دولت کب میسر ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا فضل بڑا وسیع ہے اسکو کچھ دشوار نہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست — با کریماں کارہا دشوار نیست

(تم یہ نہ سمجھو کہ ہمیں اس بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت نہیں ۔ کریم لوگوں کیلئے بڑے بڑے کام بھی مشکل نہیں دہو سکتا ہے کہ وہی بلالیں)

البتہ ایسے احوال کیلئے صحبت شیخ کی ضرورت ہے اور صحبت وہ چیز ہے کہ دیکھو انڈا کیا چیز ہے سفیدی اور زردی کے سوا اسمیں کچھ بھی نہ تھا مگر مرغی کے سینے سے اسمیں جان آگئی تو کیا صحبت کاملین کی اس سے بھی گئی گذری اور یہ وسوسہ بھی نہو کہ صحبت تو ایسی چیز ضرور ہے مگر خود وہ لوگ کہاں ہیں جنکی صحبت میں یہ برکت ہو سو یقین کے ساتھ سمجھو کہ اب بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس برکت کے موجود ہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشان ست — خم و خمخانہ با مُہر و نشان ست

(اب بھی وہ رحمت کا بادل موتی برسا رہا ہے اب بھی شراب کے گھڑے اور شراب کے گھر پر مُہر اور سرکاری نشان موجود ہے)

دل سے میدان طلب میں آنا چاہئے ۔ نری سوکھی روکھی آرزو سے کام نہیں چلتا صدق طلب ہونی چاہئے اور کوشش ؎

گرچہ رخنہ نیست در عالم پدید — خیرہ یوسف وار می باید دوید

(اگرچہ اس دنیا میں کہیں سوراخ شگاف نکلنے کیلئے ظاہر نہیں ہوتا پھر بھی تم کو تو یوسف علیہ السلام کیطرح گھبرا کر یہاں سے بھاگنے ہی کی کوشش کرنی چاہئے)

یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کو کیسا اپنے مولیٰ پر بھروسہ تھا کہ باوجود دروازے بند ہونیکے دوڑے اور کوشش کی اللہ تعالیٰ نے دروازے بھی کھولدیئے ۔ اگر صدق دل سے طلب اور کوشش ہو تو مقصود ملنے کی یقینی امید ہے بعض صوفیہ نے بطور تاویل و اعتبار کے نہ بطور تفسیر اس آیت ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموٰات و الارض الخ میں امر فانفذوا کو امر تعجیزی نہیں لیا بلکہ تکلیفی اسی مضمون کے مناسب سمجھا ہے غرض حاصل یہ ہے کہ دعا کا خلاصہ نیازمندی ہے اور دعا خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیوی ہو مگر ناجائز امر کیلئے نہو سب عبادت ہے ۔ خواہ چھوٹی سی چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی حدیث میں یہانتک آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو

خدا تعالیٰ سے مانگا کرو ایک بزرگ رو رہے تھے کسی نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ فرمایا بھوک لگی ہے۔ اسنے کہا کیا بچے ہو کہ بھوک سے روتے ہو انھوں نے فرمایا کہ جب مولیٰ کی یہی مرضی ہو کہ میں بھوک سے روؤں تو پھر استقلال کیوں اختیار کروں ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

(اگر دین کے بادشاہ یعنی حق تعالیٰ ہی کی یہ خواہش ہو کہ میں طمع کروں تو پھر قناعت کرنے پر میں خاک ڈالدوں۔)

نالم ایرا نالہا خوش آیدش　　　از دو عالم نالۂ وغم بایدش

(میں روتا ہوں اسلئے کہ اُسے رونا پسند ہے بلکہ دونوں جہان سے وہ صرف رونا عاجزی کرنا ہی دیکھنا چاہتے ہیں)

بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ میں مرض کی شکایت کا اظہار کروں تب فرمایا رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ الخ (اے میرے پروردگار مجھے بیماری نے ستا رکھا ہے) ورنہ یہ اظہار بیصبری کی وجہ سے نتھا اگر بیصبری ہوتی تو اللہ تعالیٰ انکی یوں تعریف نہ فرماتے انا وجدناہ صابرا نعم العبد الخ ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

(کوئی خام اور معمولی آدمی بزرگوں کا حال سمجھ نہیں سکتا اسلئے بس بات ختم ہی کر دوں تو ٹھیک ہے)

غرض ان کاملین کی نظر خدا تعالیٰ کی رضا پر ہوتی ہے۔ اپنا حظ ظاہری یا باطنی کچھ مقصود نہیں ہوتا جسمیں خدا تعالیٰ راضی ہوں وہی کرنے لگتے ہیں ؎

گفت معشوقے بعاشق کاے فتا　　　تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

(ایک معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ تو نے دیس بدیس پھر کر بہت سے شہر دیکھے)

پس کدامی شہر از آنہا خوشتر است　　　گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

(ذرا یہ بتا کہ ان میں سب سے اچھا شہر کون ہے وہ بولا شہر تو وہ سب سے بہتر ہے جہاں محبوب رہتا ہو)

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ　　　جنت است او گرچہ باشد قعر چاہ

(جہاں کہیں کوئی چاند جیسا حسین رشک یوسف موجود ہو پھر چاہے وہ کنواں بھی ہو مگر وہ جنت ہے)

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا　　　بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

(اے جانفزا محبوب اگر دوزخ میں تم مجھے مل جاؤ تو وہی مجھے جنت کے برابر ہے اور اگر جنت میں تم نہ رہو تو پھر وہ میرے لئے دوزخ ہے)

عاشقوں کی کچھ اور ہی شان ہے حضرت حافظ محمد ضامن شہید علیہ الرحمۃ کی حکایت ہے کہ فرمایا کرتے کہ ہم تو اس واسطے ذکر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں فاذکرونی اذکرکم یعنی احوال و کیفیات باطنی پر نظر نہ تھی دیکھئے محققین کی تو یہاں تک نگاہ ہے کہ خدا کے نام اور احکام میں کیفیات باطنی تک کا قصد نہ کریں اور افسوس آجکل لوگوں کا یہ حال ہے کہ وظائف تحصیل دنیا کیلئے پڑھتے ہیں کوئی دست غیب تلاش کرتا پھرتا ہے حالانکہ اسمیں

جواز تک بھی نہیں کیونکہ اسکے ذریعہ سے جو کچھ ملتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ جن مسخر ہوجاتے ہیں اور وہ لوگوں کا مال چرا چرا کر عامل کو دیتے ہیں۔ یا اگر اپنا لائیں تب بھی مجبور ہو کر لاتے ہیں ایسا ہی تسخیر قلوب کا حال ہے کیونکہ اسکے ذریعہ سے جو مال دیا جاتا ہے وہ طیب خاطر سے نہیں دیا جاتا مغلوب لرائے و مضطر ہو کر دیتا ہے اور اگر کسی عمل میں جواز بھی ہو تب بھی ایسے اغراض کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام کی بیقدری کرنا اور بھی بے ادبی ہے اور احادیث میں جو سورۂ واقعہ کا پڑھنا وغیرہ آیا ہے وہ دنیا کو معین دین بنانے کی غرض سے ہی جو کہ دین ہی ہے کاش یہ لوگ بجائے ان اعمال کے دعا کیا کرتے اگر مقصود حاصل ہوجاتا تو بھی مطلب کا مطلب اور ثواب کا ثواب اور اگر نہ ہوتا تو بھی دعا کا ثواب کہیں گیا ہی نہ تھا۔ مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ عمل میں ایک اور بھی خرابی ہے کہ دعا سے تو پیدا ہوتی ہے عاجزی اور فروتنی۔ اور عمل سے پیدا ہوتا ہے دعویٰ۔ عامل جانتا ہے کہ بس ہم نے یہ کردیا اور وہ کردیا مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ فرماتے تھے کہ اگر صاحب نسبت عمل کرے تو نسبت سلب ہوجاتی ہے اسکی یہی وجہ ہے کہ عامل کو خدا پر توکل نہیں رہتا اور عجب پیدا ہوجاتا ہے اور یہ منافی ہے نسبت مع اللہ کے۔ یہ قدر ضروری بیان تھا دعا کے مہتم بالشان ہونے کا۔ اب دعا سے لوگوں کے تغافل کے اسباب کا بیان باقی رہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی موقع پر وہ بھی ہوجائیگا۔ فقط۔

سلسلہ دعوات عبدیت

ملحقہ اول وعظ دوم

مہمات الدعاء

حصہ دوم

(الدعاء والصبر)

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ	قریباً تین گھنٹہ	بیٹھ کر	دعا سے تغافل کے اسباب	مولوی نور حسین پنجابی		

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ ونشہد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم (آیت) وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

اس سے پہلے وعظ میں دعا کی عظمت اور اس کے مہتم بالشان ہونیکا بیان بقدر ضروری کیا گیا تھا۔ وعظ کے ختم پر یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ آئندہ کسی موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ دعا سے غفلت کرنے کے اسباب کے متعلق بیان کیا جائیگا۔ سو آج اُن اسباب کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یہ آیت وہی ہے جو پہلے وعظ میں پڑھی گئی تھی۔ آج کا بیان بھی چونکہ دعا کے متعلق ہے اسلئے اس آیت سے بیان کو شروع کیا جاتا ہے اور اس بیان کو بھی اُس پہلے وعظ کا بقیہ یا تتمہ سمجھنا چاہیئے قبل اسکے کہ غفلت عن الدعاء کے اسباب بیان کئے جائیں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ دعا صرف اُمور غیر اختیاریہ کیساتھ خاص نہیں۔ جیسا عام خیال ہے کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج ہوتا ہے وہاں مجبور ہو کر دعا کرتے ہیں ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے بلکہ امور اختیاریہ میں بھی دعا کی سخت ضرورت ہے اور ہر چند کہ انکا وجود اور ترتب بظاہر تدبیر اور اسباب پر مبنی ہے لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو خود ان اسباب کا جمع ہو جانا واقع میں غیر اختیاری ہے اور اسکا بجز دعا اور کوئی علاج نہیں مثلاً کھیتی کرنے میں ہل چلانا بیج بونا وغیرہ تو اختیاری ہے مگر کھیتی اُگنے کیواسطے جن شرائط

اور اسباب کی ضرورت ہو وہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً یہ کہ پالا پڑے یا اور کوئی ایسی آفت نہ پڑے جو کھیتی کو اُگنے نہ دے اسلئے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ افرئیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون الخ (اچھا ذرا اس کھیتی کا حال بتاؤ جسے تم جوتتے ہو کہ تم اُسے بوتے ہو یا ہم) پھر ان سب کو احتیاج ہے تعلق مشیت خداوندی کی اور صاف ظاہر ہے کہ وہ عباد کے اختیار میں نہیں پس ثابت ہو گیا کہ امور اختیاریہ میں بھی تدبیر اور کسب کیساتھ دعا کی ضرورت ہے خصوصاً جبکہ اسپر نظر کیجائے کہ ہم جن اسباب کو اسباب سمجھے ہوئے ہیں وہ بھی درحقیقت برائے نام ہی اسباب ہیں۔ ورنہ اصل میں اُنمیں بھی صفت سببیۃ یعنی تاثیر محل کلام میں ہے بلکہ احتمال ہے کہ عادت اللہ اسطرح جاری ہو کہ اُنکے تلبّس و اقتران کے بعد حق تعالیٰ اس اثر کو ابتداءً پیدا فرمادیتے ہوں اور جب چاہیں اثر مرتب نہ فرمائیں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اثر کو پیدا نہ فرمایا تو جو شخص اس راز کو سمجھ گیا وہ کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے سرد ہونے میں تعجب نہیں کریگا کیونکہ اگر تعجب ہے تو تاثیر کے ہونے میں ہے اور اثر پیدا نہ ہونا چنداں عیب نہیں اور آگ اگر مستقل فی التاثیر ہو جیسا طبعیین کہتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شعلہ کے اندر سے جلدی سے ہاتھ ڈالکر نکال لیا جاوے تو ہاتھ کیوں نہیں جلتا۔ اگر آگ کی ذات مقتضی احراق ہے تو یہاں پر بھی ہاتھ جل جانا چاہئے تھا معلوم ہوا کہ آگ کی ذات مقتضی احراق کو نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ مؤثر تو اسی کی ذات ہے مگر مکث یعنی معتد بہ حصہ مدت تک ٹھہرنا اس کیلئے شرط ہے تو اس سے ہمکو انکار نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ یہ شرط عادی ہے یا عقلی اُسوقت وجود شرط کے ترتب اثر کا آیا لزوم کے ساتھ ہے یا بلا لزوم سو اس کی فلسفی کے پاس کیا دلیل ہے اور اگر تجربہ کو اس کی دلیل کہا جائے تو تجربہ سے صرف ترتب ثابت ہوتا ہے لزوم کیسے ثابت ہوا اسکا دعویٰ بلا دلیل ہی رہا کیونکہ تجربہ سب افراد کا ابتدا سے انتہا تک احاطہ نہیں کرسکتا چند محدود افراد کے تجربے اور مشاہدے پر حکم لگا دیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی فرد جس کا ابتک مشاہدہ نہیں ہوا اس کے خلاف ہو۔ درحقیقت ان سب خرافات کے قائل ہونیکی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فاعل با اختیار ہونے کے قائل نہیں۔ اس لئے ایسی ایسی رکیک تاویلیں کرنی پڑتی ہیں بالجملہ ان اسباب کی تاثیر کی ایسی مثال معلوم ہوتی ہے کہ جیسے سُرخ جھنڈی دکھانے سے ریل رُک جاتی ہے اب کوئی نادان یہ سمجھے کہ سُرخ جھنڈی میں کوئی تاثیر ہے جس سے ریل رُک جاتی ہے تو یہ اُسکی نادانی ہوگی۔ سُرخ جھنڈی سے تو کیا رُکتی وہ تو کسی چلانے والے کے روکنے سے رُکی ہے۔ سُرخ جھنڈی صرف اصطلاحی علامت قرار دی گئی ہے یہی مثال ہے اسباب اور ترتب اثر کی۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اسباب و علامات محض عباد کی تسلی و دیگر حکمتوں

کے لئے مقرر فرما دیئے ہیں ؎

این سببہا در نظرہا پردہاست　　در حقیقت فاعل ہر شئے خداست

(یہ تمام اسباب ہی لوگوں کی نظروں کیلئے پردہ بن گئے ورنہ اصل میں تو ہر چیز کا فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں)

؎ کب سلیقہ ہے فلک کو یہ ستمگاری ہیں　　کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

عارفین اس بات کو سمجھے اور حقیقت حال معلوم کرکے یوں گویا ہوئے ؎

عشق من پیدا و معشوقم نہاں　　یار بیروں فتنۂ او در جہاں

(میرا عشق تو کھل گیا مگر میرا معشوق چھپا ہی رہا۔ محبوب اس عالم سے باہر ہے مگر اسکے فتنے اور جلوے دنیا میں ہیں)

؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

؎ کار زلف تست مشک فشانی اما عاشقاں　　مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

(مشک کی خوشبو پھیلانا اصل میں تو تیری زلف ہی کا کام ہے مگر لوگوں نے کسی مصلحت سے چینی ہرن کا نام لے دیا ہے)

؎ آب و خاک و باد و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(پانی ہو یا مٹی اور ہوا ہو یا آگ یہ سب خدا کے بندے ہیں۔ میرے تمہارے سامنے تو بیچارے مردہ و معصوم بنے ہیں مگر خدا کے حکم سے یہ زندہ اور با اثر بھی بن جاتے ہیں)

مثنوی میں اس یہودی بادشاہ کی حکایت ہے جو مسلمانوں کو بتوں کے سجدے پر مجبور کرکے آگ میں ڈلواتا تھا یہانتک کہ اخیر میں یہ قصہ ہوا کہ وہ آگ میں نہیں جلتے تھے اس پر اس یہودی بادشاہ نے آگ سے مجنونانہ غصہ میں یہ خطاب کیا کہ تجھے کیا ہو گیا کہ تو نہیں جلاتی کیا تو آگ نہیں رہی آگ نے باذن خالقہا جواب دیا۔ ؎

گفت آتش من ہمانا آتشم　　اندر آتا تو بہ بینی تابشم

(آگ بولی میں یقیناً آگ ہی ہوں بدل نہیں گئی تو میرے اندر ذرا آجا تاکہ میری جلن محسوس کرسکے)

پھر اس گستاخی کا یہ انجام ہوا۔ ؎

بانگ آمد کار تو اینجا رسید　　پائے دار اے سگ کہ قہر ما رسید

(آواز آئی کہ تو اتنا بڑھ چلا ہے۔ اچھا او کتے ذرا ٹھہر کہ ہمارا عذاب آپہونچا)

دیکھئے وہی آگ تھی ایک کو جلایا ایک کو نہ جلایا۔ اس سے یہ بات بہت وضاحت سے ثابت ہو گئی کہ اسباب باختیار حق ہیں جب یہ ہے تو اسباب کے اعتماد پر خالق سے قطع نظر و استغنا کرنا بڑی غلطی ہے غرض امور اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ سب میں دعا کی حاجت ثابت ہوئی البتہ امور اختیاریہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری

ہے کہ تدبیر بھی کیجائے اور دعا بھی ہو یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر صرف دعا پہ اکتفا کیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص
اولاد کی تمنا رکھتا ہی تو اُسے چاہیئے کہ اول نکاح کرلے اور پھر دعا کرے اور بے نکاح کے اگر یوں
ہی چاہیے کہ اولاد ہو جائے تو یہ اُسکی نادانی ہی اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کئے ہیں اور اُنمیں حکمتیں
اور مصلحتیں رکھی ہیں مطلق اسباب کا اسطور پہ معطل چھوڑنا افراط و غلو ہی اور ایک گونہ تعطیل ہے
حکم الٰہیہ کی جو کہ سوئے ادب اور خلاف عبدیت ہی اور مباشرت اسباب میں اظہار عبدیت اور افتقار الی اللہ
بھی ہی جو کہ اعظم مقاصد سے ہی اسلئے ایسے اُمور میں مباشرت اسباب اور دعا دونوں کا ہونا ضروری ہے
کہ اسمیں اعتدال اور تعدیل ہی۔ غرض یہ ثابت ہو گیا کہ دعا کی حاجت سب کو ہی اور اگرچہ اعتقاد تو اکثر
مسلمانوں کا یہی ہی مگر پھر بھی دعا سے غفلت کیجاتی ہی اسکی کیا وجہ ہی تو اگرچہ اسباب غفلت کے بہت ہیں
مگر اسوقت چند اسباب جو بطور اُمور کلیہ کے ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ باقی اسباب کا بطور تفریع کے ان ہی
سے سمجھ لینا اور نکال لینا آسان ہو گا۔ سو ایک سبب تو جسکا آجکل زیادہ تسلط ہے یہ ہی کہ طبائع میں
تعلیم جدید کے اثر سے توغل طبیعیات کے سبب جمود ظاہر بینی حسن پرستی اسدرجہ آگئی ہی کہ معنوی اور
خفی اسباب تک اُن کی نظر کو رسائی نہیں ہوتی اسلئے دعا کو بھی بیکار سمجھا جانے لگا ہی اور تمام تر آثار
کو ان ہی اسباب طبیعہ میں منحصر مان لیا ہی۔ حالانکہ یہ حضرات جن سائنسدانوں کی تقلید کر رہے ہیں خود
اُن کے محققین اسباب کے آثار اور قدرت کے اسرار کی پوری تحقیق و احاطہ سے لاعلمی کا اقرار کر رہے
ہیں۔ اور کیوں نکریں آخر اس سائنس کی ساری پونجی اور تمام دولت استقرا ہی تو ہے جو کہ نہایت ناقص
و ناتمام درجہ کی دلیل ہی۔ یہ حضرات چونکہ مسلمان ہونیکی وجہ سے خدائے تعالیٰ کے وجود کا انکار تو نہیں کر
سکتے تھے جیسا کہ یورپ کے آزاد منش لوگ کر بیٹھتے ہیں اُنھوں نے یہ کیا کہ ایک قانون فطرت اپنے
ظن و گمان میں تجویز کیا اور اُسکو بننے میں تو اللہ تعالیٰ کا ماتحت مانتے ہیں لیکن چلنے میں اُسکا بھی محتاج
نہیں مانتے بلکہ نعوذ باللہ خود واجب الوجود کو اسکا تابع سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بس اسکو
خاص انتظام پر پیدا تو کر دیا لیکن وہ اب اسیطرح پر خود چل رہا ہی کہ اسمیں تغیر نہیں ہو سکتا۔ جیسے گھڑی کہ کوک دینے
میں تو دوسرے کی محتاج ہی اُسکے بعد از خود چلتی رہتی ہی۔ گویا اب اللہ تعالیٰ کو بھی تغیر و تبدل کا کچھ اختیار
نہیں معاذ اللہ مسلمان ہو کر یہ عقیدہ۔ جو اسوجہ سے عقل کے بھی خلاف ہی کہ اللہ تعالیٰ کو اضطرار اور عجز
لازم آتا ہے۔ نیز اس صورت میں مشیت کا تعطل بھی لازم آئیگا اور مشیت کے تحقق پر نصوص قطعیہ
شاہد ہیں۔ یہ بھی ایسا ہی ہی کہ جیسے حکماء یونانیین اللہ تعالیٰ کے وجود کو حدوث عالم کے لئے علت موجبہ
اضطراریہ قرار دیتے ہیں اور اختیار مشیت کی جو اسمیں نفی لازم آتی ہی اُسکے قائل ہوتے ہیں لیکن انکی اسلئے

زیادہ شکایت نہیں کہ وہ التزام اسلام کا کئے ہوئے نہیں اور یہ تو سب سے زیادہ اسلام کے جان نثار و خیر خواہ بنتے ہیں افسوس ہے کہ یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اگر صفتِ اختیار باری تعالیٰ میں نہ مانی جائے تو احداث عالم میں یا تو ترجیح بلا مرجح کا قائل ہونا پڑیگا جو عقلاً محال ہے یا عالم کو قدیم کہنا پڑیگا جو سمعاً محال ہے اور یہ خدشہ نہ کیا جائے کہ اختیار میں بھی ترجیح بلا مرجح کا لزوم ہوتا ہے کیونکہ اسکی کیا وجہ کہ یہ اختیار پہلے متعلق نہ ہوا پھر متعلق ہوگیا۔ جواب یہ ہے کہ صفت ارادہ و اختیار کیلئے تو یہ امر ذاتی یا لازم ہے کہ تخصیص ماشاء متی شاء اور ذاتی اور لازم کیلئے علت کا سوال نامعقول ہے کیونکہ اسمیں تخلل جعل کا درمیان ذات و ذاتیات کے یا درمیان ملزوم و لازم کے لازم آتا ہے اور یہ محال ہے پس وہ خدشہ رفع ہوگیا (جو چاہا اور جب چاہا) اور اعتقاد اختیار کا بلا غبار ثابت رہا۔ پس اس تمام بیان سے معلوم ہوگیا کہ مذہب "التعطل و انکار قدرت" بالکل باطل ہے۔ مذہب حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل با اختیار ہے۔ جب یہ ہے تو اسکی قدرت جسکی وجہ سے ممکن کا خود وجود اور ظہور ہوا ممکنات کی تاثیرات کو ظاہر بھی کرسکتی ہے اور روک بھی سکتی ہے اسی وجہ سے دعا کیجاتی ہے کہ آپ اپنی مشیت کا تعلق اس سے فرمائیں۔ یہ تو جب ہے کہ اسباب خاصہ سے وہ مسبب پیدا ہو لیکن خود یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام اسباب جمع ہونے پر ہی ترتب اثر ہو بلکہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و زاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے یا بلا اسباب بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں سوختہ جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللھم ارزقنا (اے اللہ ہمیں روزی دے) تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے پُر ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں قوت یقینیہ زیادہ تھی پورا یقین اُسکی رزاقی پر تھا چنانچہ اُسکا ظہور بلا اسباب ہوا اور یہ حضرات تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے ابلیس کے یقین اور توقع اجابت دعا کی کیفیت دیکھئے کہ عین غضب اور قہاری کے موقع پر بھی اسکو پورا بھروسہ تھا کہ غضب الٰہی اجابت دعا کیلئے مانع نہیں ان رحمتی سبقت غضبی (یقین رکھو کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے) حالانکہ یہ سوال ایسا بعید ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام کیلئے بھی خلود اور دوام نہیں عنایت کیا گیا۔ ماجعلنا لبشر من قبلک الخلد (ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی) مگر شیطان نے رحمت کی وسعت کے بھروسے پر اسکی دعا کر دی اور حکم بھی ہوگیا انک من المنظرین الیٰ یوم الوقت المعلوم (ہاں تجھے مہلت ملے گی مگر صور کی پہلی آواز تک کے لئے) دعا کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔ اور یقین ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے آثار پیدا ہوتے ہیں چنانچہ حضرت علاء ابن الحضرمی حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں جب غزوۂ مرتدین کیلئے بحرین پر گئے اور راستے

میں دریا پڑا تو ساتھیوں نے اسوجہ سے کہ کشتی تیار نہ تھی ٹھہرنے کو کہا فرمانے لگے خلیفہ کا حکم ہی جلدی پہنچنے کا اسلئے میں ٹھہر نہیں سکتا اور یہ کہکر دعا کی کہ اے اللہ جس طرح تو نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کیا اسی طرح آج ہم کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پار اُتار دے اور دعا کر کے گھوڑا دریا میں ڈالدیا۔ دریا پایاب ہوگیا اور سارا لشکر پار ہو گیا اور مشہور حکایت ہی کہ ایک مولوی صاحب بسم اللہ کے فضائل میں وعظ فرمارہے تھے کہ بسم اللہ پڑھکر جو کام کریں وہ پورا ہو جاتا ہی ایک جاہل گنوار نے سُنا اور کہا یہ ترکیب تو اچھی ہاتھ آئی۔ ہر روز کشتی کے پیسے دینے پڑتے ہیں بس بسم اللہ پڑھکر دریا سے پار اُتر جایا کرینگے۔ چنانچہ مدتوں وہ اسیطرح آتا جاتا رہا۔ اتفاقاً ایک روز مولوی صاحب کی دعوت کی اور گھر لیجانیکے واسطے انکو ساتھ لیا راستے میں وہی دریا آملا۔ مولوی صاحب کشتی کے انتظار میں رُکے۔ اُسنے کہا مولوی صاحب آئیے کھڑے کیوں رہ گئے مولوی صاحب بولے کہ کیسے آؤں اُسنے کہا کہ بسم اللہ پڑھکر آجائیے۔ میں تو ہمیشہ بسم اللہ پڑھکر ہی اُتر جاتا ہوں۔ مولویصاحب کی تو ہمت نہوئی مگر اُسنے انکا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ انکو بھی پار اُتار دیا۔ یہ قوت یقینیہ ہی تھی جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُسکو یہ آسان کر دیا اسی وجہ سے بعض بزرگ تعویذ دیتے وقت کہدیتے ہیں کہ اسکو کھولنا مت ورنہ اثر نہیں ہوگا۔ وجہ اسکی یہی ہے کہ کھولنے سے دیکھنے والا وہی معمولی کلمات سمجھکر ضعیف الیقین ہو جاتا ہی اور اثر نہیں ہوتا۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوگیا کہ تھوڑے بہت اسباب جمع کر کے اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے دعا کیجائے تو اللہ تعالیٰ اس تھوڑے حیلے میں یقین کی برکت سے سب کچھ دیدیتا ہی اور یہی معنی معلوم ہوتے ہیں واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ (طلب اور تلاش میں خوبی واختصار ملحوظ رکھو اور اسی خدا پر پھر بھروسہ رکھو) کے کہ تدبیر اور مباشرت اسباب میں اختصار ہو۔ اجملوا میں اُسکی طرف اشارہ ہی اور نظر تقدیر پر ہو و توکلوا علیہ میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ اور درحقیقت اگر روزی صرف سعی و تدبیر پر ہی موقوف ہوتی تو اکثر آدمی حکمت و تدبیر سے غنا حاصل کر سکتے تھے مگر غنا اور تمول دیکھا جاتا ہی کہ حکمت اور تدبیر اور سعی پر موقوف نہیں بلکہ بکثرت دیکھا گیا ہی کہ ایک معمولی آدمی دو آنے تین آنے کی مختصر مزدوری کیا کرتا تھا چند سال میں وہ لکھپتی ہو گیا۔ اگر غنا تدبیر اور سعی سے بلا تقدیر حاصل ہو سکتا ہی تو ہم ایک دوسرا آدمی منتخب کرتے ہیں۔ جو قوت اور ہمت رائے و تدبیر میں اُس سے زیادہ ہو اور مدت بھی اسکے لئے دونی تجویز کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنہ روزانہ ملتے تھے ہم اسکے چار آنہ یومیہ دیتے ہیں اور اس پہلے شخص کا تمام کارنامہ اُسکو دیئے دیتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس پہلے کے برابر یا اسکے قریب مضاعف (دو گنی) مدت میں کما سکتا ہی۔ ہرگز نہیں۔ ترقی کے اسباب اور تدابیر بہت قومیں جانتی ہیں مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں کہ جن کی تدبیر اور سعی کے ساتھ تقدیر بھی

مساعدت کرتی ہے ورنہ اُن سے دُگنی محنت کرتے ہیں اور افلاس نہیں جاتا۔ اصل یہ ہے کہ نہ تو نرے اسباب پر مدار ہی بلکہ تقدیر اور مشیت کی موافقت شرط ہے اور نہ یہ کارخانہ اسباب بالکل معطل ہے کہ اس کو چھوڑ کر صرف دعا سے ہی کام لیا جائے۔ افراط اور تفریط دونوں کو چھوڑیں۔ اس طرح سے کہ اسباب کو بھی اختیار کریں کیونکہ اسمیں بھی اظہار ہی عبدیت اور افتقار الی اللہ کا اور اسباب کے بھروسے دعا سے بھی غفلت نہ کیجائے ہم میں بعضے جو متوکل ہوئے تو اُسمیں بھی غلو کرنے لگے ہیں ہماری بھی وہی مثال ہے۔ سہ

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اس غلو کی بدولت بعض اوقات توکل نام ہوتا ہی واقع میں تعطل اور کم ہمتی ہی۔ سہ

چو باز باش کہ صیدے کنی ولقمہ دہی — طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پروبال

(باز کی طرح بنو کہ خود شکار کرکے کھاؤ اور دوسروں کو ایک لقمہ کھلا سکو۔ بے بازو کے کوے کیطرح طفیلی مت بنو)

البتہ اگر اسباب معیشت میں اشتغال مضر اسکے دین کو ہو یا مانع خدمت دین کو ہو اور یہ شخص اسکا اہل ہو اور توکل کی ہمت بھی ہے تو توکل بہتر ہے۔ مثلاً اسکے متعلق تعلیم و تربیت دینی ہو اور یہ شخص اسکا اہل بھی ہو تو توکل اور دینی خدمت سے بہتر کوئی کام نہیں۔ البتہ یہ ضروری بات ہی کہ توکل صرف اللہ پر ہو لوگوں کی ہدایا و تحف کیطرف نفس کا اشراف نہ ہو۔ حدیث میں "من غیر اشراف نفس" کی قید آتی ہے۔ ورنہ وہ توکل علی اللہ نہیں۔ غرض لوگوں کے اموال کی تاک میں نہ بیٹھا رہے۔ اس مقام پر ایک نکتہ سننے کے قابل ہے وہ یہ کہ بعض اوقات اہل کشف کو کشف سے آمد معلوم ہو کر مال کیطرف اشراف نفس پیدا ہو جاتا ہے۔ یا بعض اوقات اموال مشتبہ کی حقیقت ظاہر ہو کر مال حلال ملنا مشکل ہو جاتا ہی۔ سو کشف نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہی کہ عمل بالسنۃ میں مخل نہیں ہوتا۔ اشرف کے متعلق بلگرام کے ایک بزرگ عالم کا قصہ یاد آیا کہ اُنکے خاص شاگرد یا مرید اُن کے پاس آئے۔ شیخ کے اضمحلال اور ناتوانی کو دیکھکر اُنھوں نے تاڑ لیا کہ آج فاقہ ہی اسلئے وہ اُٹھے اور کچھ کھانا لیکر حاضر ہوئے اور پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ گو یہ پہنچا ہے حاجت ہی کے وقت لیکن مجھکو اسکے قبول کرنے میں ایک عذر ہی۔ اسواسطے کہ جسوقت تم میرے پاس سے اُٹھ کر گئے تھے اُسوقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ کھانا لائیں گے۔ چونکہ میرے دل کا لگاؤ اور اشراف نفس اسکے ساتھ ہو گیا اور ایسی حالت میں ہدیہ لینا خلاف سنت ہی۔ اسلئے اسکے لینے سے معذور ہوں۔ ماشاءاللہ مرید یا شاگرد تھے سمجھدار کہ ذرا اصرار نہیں کیا جیسا کہ بعض کم فہم لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں سے جھک جھک کیا کرتے ہیں حالانکہ نہایت سوء ادب ہی۔ بلکہ فوراً کھانا لیکر اُٹھ گئے (انتظار)

اور آدھے رستے سے پھر لوٹ آئے اور وہی کھانا پھر پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت لیجئے اب تو میرے واپس چلے جانیسے اشراف نہیں رہا ہوگا اب قبول فرمالیجئے شیخ نے قبول فرمالیا اور اُن کی اس نکتہ رسی اور ذہانت پر آفرین فرمائی۔

آپ نے سنا بزرگان دین نے اشراف سے کسقدر تحرز کیا ہے غرض توکل کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اشراف نہو اور بدون اسکے اگر توکل ہو تو محمود ہے اور جو توکل کے شرائط نہوں تو تدبیر مسنون ہے بالجملہ افراط تفریط دونوں سے برکنار رہے اور اعتدال اختیار کرلے ؎

گر توکل می کُنی در کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

(اگر توکل کرو تو دو کام کرو ایک یہ کہ خود کماؤ اور دوسرے یہ کہ اپنی محنت کے نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو)

گفت پیغمبر بآواز بلند بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

(پیغمبر نے ہانکے پکارے فرمادیا کہ توکل کرکے بھی پہلے اونٹ کے پاؤں باندھ دو)

اور جان لینا چاہئے کہ تدبیر واسباب کا اختیار کرنا بھی توکل فرض کے خلاف نہیں ہے اسکی بعینہ مثال توکیل کی سی سمجھ لینا چاہئے مثلاً جب کوئی شخص کسی مقدمہ میں وکیل مقرر کرتا ہے تو کیا وکیل کرنے کے بعد یہ شخص نکمّا خالی بیٹھ جاتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ جتنی کوشش اُس سے ہوسکتی ہے خود بھی کرتا ہے اور اسکو خلافِ توکیل نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وکیل کے کرنے کا جو کام ہے وہ کریگا جو مجھ سے کچھ ہوسکتا ہے مجھکو کرنا چاہئے اسی طرح تدبیر کرنا اعتدال کے ساتھ توکل کے خلاف نہیں بلکہ تدبیر ایسی چیز ہے کہ جو امور محض غیر اختیاری ہیں جن میں تدبیر کو اصلا دخل نہیں محض دعا ہی پر انکا مدار ہے سنن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی دعا کے ساتھ کچھ صورتِ تدبیر اختیار کی جاتی ہے چنانچہ ایک قصہ حدیث سے بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوجائیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح توکل اور دعا کو جمع فرمایا اور اس حدیث کے ضمن میں اور بھی فوائد ہیں۔ ایک صحابی جنکا نام مقدادؓ ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر مسافرانہ مقیم تھے اور انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں بتلادی تھیں کہ ان کا دودھ نکالکر کچھ خود اور رفقا پی لیا کرو۔ اور کچھ ہمارے لئے رکھدیا کرو۔ اور اُنکا اسیطرح معمول تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضورؐ کو آنے میں دیر ہوئی تو میں سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کہیں دعوت ہوگئی ہوگی۔ یہ خیال کرکے آپ کا حصہ بھی پی گیا۔ مگر اتفاق سے جب پی چکا اسوقت خیال آیا کہ شاید آپ نے کچھ نہ کھایا ہو۔ اب تو بیچینی کا یہ حال ہوا کہ کروٹیں بدلتا ہوں اور نیند نہیں آتی اس شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت

تشریف لائے اور آپ کی عادت شریفہ آنیکے وقت یہ تھی کہ جب تشریف لاتے اور دیکھتے کہ گھر والے لیٹے ہیں تو بہت آہستہ سے سلام کرتے اسطرح سے کہ اگر حاضرین جاگتے ہوتے تو سُن لیتے اور اگر سوتے ہوتے تو آنکھ نہ کھلتی۔ اسیطرح نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے آپ کا شب برات میں بقیع میں جانے کیلئے آہستہ اُٹھنا اور آہستہ سے کواڑ کھولنا سب کام آہستہ سے کرنا تاکہ سونے والے کو تکلیف نہو آیا ہے۔ سو اسیطرح سلام بھی آہستہ سے فرماتے کہ اگر کوئی جاگتا ہو تو سُن لے اور سوتا ہو تو اُسکی نیند میں خلل نہ آئے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض لوگ دوسرے آدمیوں کی تکلیف کا اصلا خیال نہیں کرتے سوتے آدمیوں میں اُٹھ کر سب کام بے تکلف زور زور سے کرتے ہیں اور اس سے دوسروں کو ایذا ہوتی ہے اسیطرح یہ امر بھی موجب ایذا ہے کہ مشغول کار آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جس سے اس کے ضروری کام میں حرج بھی ہوتا ہے اور پریشانی بھی۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب کے بیٹے کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک وزیر بھوپال میں وہ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور ایک صاحب مدعی عمل بالحدیث انکے پاس کھڑے تھے یہ خیال کرکے کہ صاحبزادے صاحب بہت خوش ہونگے بڑے زور سے آمین کہی۔ صاحبزادے صاحب نے بعد نماز کے اُن سے کہا کہ آپ سے مجھے کام ہے ذرا مجھ سے ملکر جائیے وہ خوشی خوشی انتظار میں بیٹھ گئے دیکھئے کیا انعام ملتا ہے اتنے میں صاحبزادے صاحب مسجد کے باہر تشریف لائے۔ وہ صاحب سامنے آئے کہ حضور کیا ارشاد تھا۔ انھوں نے ان صاحب کے ایک دھول جمائی اور فرمایا کہ آمین بالجہر تو ضرور حدیث میں آئی ہے مگر یہ بتلاکہ آمین کی اذان کس حدیث میں آئی ہے جو تو نے اس زور سے کہی کہ پاس والے بھی گھبرا اُٹھے معلوم ہوتا ہے کہ محض مخالفت بھڑکانے کو ایسا کیا جاتا ہے اسلئے یہ سزا دیگئی۔ حضرات ہماری سبھی حالتیں بگڑ رہی ہیں ہر چیز میں افراط و تفریط ہو رہی ہے اور عوام کی کیا شکایت کریں۔ انصاف یہ ہے کہ آداب کو بعض اہل علم تک نہیں جانتے محض لفظ پرستی رہگئی ہے ؎

مولوی گشتی و آگہ نیستی ‏ ‏ ‏ ‏ خود کجائی و از کجائی کیستی

(مولوی تو بن گئے اور اتنا نہیں جانتے کہ تم کہاں رہتے ہو کہاں سے آئے ہو اور کون ہو)

اس لفظ پرستی پر ایک مثال یاد آئی۔ ایک شخص کا انتقال ہوا موت کے قریب بیٹے کو وصیت کی کہ جو کوئی میری تعزیت کو آئے اُسکو اونچی جگہ بٹھانا اور نرم و شیریں باتیں کرنا اور بھاری کپڑے پہن کر اس سے ملنا اور قیمتی کھانا کھلانا۔ اب صاحبزادے کی سنئے ایک صاحب انکے والد کے دوست تعزیت کو آئے آپ نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ انکو مچان پر بٹھا دو وہ آئے اور مجرموں کیطرح سے

انکو زبردستی پکڑ کر مچان پر بٹھادیا اب وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے نوکر کہتے ہیں کہ آقا کا یہی حکم ہے اب آقا صاحب تشریف لائے تو اس انداز سے کہ جا بجا جسم دری قالین میں لپٹے ہوئے۔ ایک عجیب بغلول کی سی شکل بنے ہوئے ہیں آخر مہمان نے کچھ تعزیت میں کہا تو جواب میں فرماتے ہیں گڑ۔ اُنھوں نے کچھ اور کہا تو جواب ملتا ہے روئی۔ مہمان بیچارہ دنگ ہے۔ غرض کھانے کا وقت آیا گوشت گلا نہ تھا مہمان نے کہیں اسکا شکوہ کیا تو آپ تیز ہو کر کہتے ہیں واہ صاحب۔ میں نے آپ کے لئے پچاس روپیہ کا کتّا کاٹ ڈالا اور آپکو پسند نہیں آیا۔ اب مہمان اور بھی پریشان۔ آخر تحقیق کیا تو اُنھوں نے بیان کیا کہ ابّاجان نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص تعزیت کے واسطے تمھارے پاس آئے تو اسکو اونچی جگہ بٹھانا اسواسطے میں نے مچان پر بٹھایا کہ سب سے اونچی جگہ یہی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ بھاری کپڑے پہنکر ان سے ملنا تو اس دری قالین سے بھاری کوئی کپڑا نہ تھا۔ تیسرے یہ کہا تھا کہ نرم اور میٹھی باتیں کرنا تو گڑ اور روئی سے زیادہ نرم اور میٹھی چیز مجھکو نہ معلوم ہوئی اور وصیت کی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو اس کتے سے زیادہ کوئی جانور قیمتی ہمارے گھر نہ تھا مہمان لعنت بھیج کر وہاں سے رخصت ہوا پس یہی حالت ہماری ہے کہ الفاظ یاد کر لئے ہیں۔ حقیقت آداب و اخلاق اعمال کی نہیں سمجھے چنانچہ ہم نے اخلاق نام صرف چاپلوسی اور خوشامد اور میٹھی باتیں کر نیکا رکھ لیا ہے سو حقیقت میں اخلاق کو نفاق سے بدل دیا ہے۔ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ ہم سے کسی کو کسی قسم کی ایذا ظاہری یا باطنی یا حضور (سامنے) یا غیبت (پیچھے) میں نہ پہونچے۔ ہم نے یہ سمجھا کہ اخلاق ظاہرداری کا نام ہے گو اس سے ایذا ہی پہونچے اسکی کچھ پروا نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت اور رعایت کہ سلام بھی کرتے ہیں تو اسطرح سے کہ کوئی بیچین نہ ہو۔ غرض آنحضرت عشاء کے بعد تشریف لائے اور حسب معمول سلام کرکے برتنوں کیطرف چلے اور وہ صحابی جو دودھ پیکر لیٹ گئے تھے یہ سب دیکھ رہے ہیں۔ آپکو اسمیں دودھ نہ ملا۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوقت بھوک لگی ہوئی تھی اور طعام کی حاجت تھی آپ نے حسب معمول کچھ نفلیں پڑھیں اور یوں دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ (اے اللہ جو شخص مجھکو کھلائے اُسے کھانے کو دے) دیکھئے یہ امر قابل غور ہے کہ اس دعا میں آپنے توکل کیسا تھا اسباب کی کس لطیف طور پر رعایت فرمائی کہ یہ ظاہر کردیا کہ کھانا اکثر اس طرح ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے ورنہ یہ بھی تو دعا فرماسکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے مائدہ یا رزق بھیج مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توکل اور تدبیر کو کس لطیف طریق پر جمع فرمایا۔ جیسا مذکور ہوا تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ اس دعا کے سننے کے بعد وہ صحابی اُٹھے چونکہ اُنکو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

قبول ہوئی ہوگی اسلئے گو بکریوں کا دودھ دوہ چکے تھے مگر پھر برتن لیکر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بکریوں نے اتنا دودھ دیا کہ برتن بھر گیا۔ اُس برتن کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ غرض اس قصے کے بیان سے یہ تھی کہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا و توکل کیساتھ اسباب کی رعایت کس طور پر فرمائی پس معلوم ہوا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔ اعتدال اصل طریقہ نبویہ ہے اور یہ بدون تحصیل و تبحر علوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے کوئی آسان کام نہیں جو ہر ایک دعویٰ کرنے لگے ؎

بر کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا نازک پیالہ اور دوسرے میں عشق کا ہتھوڑا لیکر دونوں سے کھیلنا ہر بوالہوس کا کام نہیں ہے)

آنحضرتؐ کے افعال سے تو یہانتک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اسکا شاہد ہے آنحضرت نے انکو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے سے مت اُتارنا پھر اُس میں آکر آب دہن ملا دیا۔ اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کو کافی ہوگئی۔ اسی طرح حدیث میں اور بھی معجزات کے قصے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ خرق عادت میں تھوڑی سی رعایت اسباب کی کی گئی مثلاً چولھے پہ ہانڈی اور توے کا رکھا رہنا اور ڈھک دینا وغیرہ کی صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا ورنہ ویسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا۔ یہ آداب ہیں توکل اور تدبیر کے سید المرسلین سے انکو سیکھنا چاہیئے ان سے غافل رہنا بعض اوقات سبب ہوجاتا ہے انہماک فی الاسباب کا جو ایک سبب ہے ترک دعا کا جس کا حاصل ہے کہ اسباب میں انہماک اور مسبب الاسباب پر نظر نہ رکھنا اور عقیدت کی کمزوری۔

اب ایک دوسرا سبب دعا نکرنیکا سنیئے۔ وہ یہ کہ عقیدہ تو دعا کا ہے مگر یہ خیال ہوجاتا ہے کہ ہم دعا کے[ع۵] قابل نہیں ہم کیا دعا کریں اور درحقیقت یہ بھی شیطان کا ایک وسوسہ ہے جو اُنکو نیکے دلونمیں تواضع کے رنگ میں ڈالا گیا ہے درحقیقت بعض احوال باطنہ کچھ اس قسم کے ظاہراً مشتبہ معلوم ہوا کرتے ہیں کہ انکو بھلا یا بُرا قرار دینے میں بڑی فہم و دقتِ نظر آگاہی شرع شریف کی سخت ضرورت پڑتی ہے چنانچہ آیت مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ

ع۵ چنانچہ ایک بار ایک شخص نے مجھ سے قرض کی شکایت کی میں نے کہا دعا کرو کہنے لگا زبان دعا کے قابل ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ تو پھر کلمہ کیوں پڑھتے ہو کیا کلمہ کے قابل ہے اور دعا کے قابل نہیں۔ چپ رہ گیا ۱۲ منہ

بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ (اس نے دو دریا بہائے جو ملتے ہیں مگر ان دونوں کے بیچ میں ایک آڑ ہوتی ہے جس سے وہ دونوں ملنے نہیں پاتے) ہیں اہل لطائف اسطرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر دو امر میں التباس ہو جاتا ہے ایک تو تواضع اور حیا اور اسکی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے بھی اسکا خیال رہے اپنی عبدیت اور خدائے تعالیٰ سے شرم کرنا ملحوظ رہے ورنہ اگر صرف دعا کیوقت تو تواضع کے خیال سے دعا نہ کیجائے اور گناہ کرتے وقت بیباک اور نڈر ہو جائیں تو یہ درحقیقت تواضع نہیں ہے بلکہ کم ہمتی اور سستی ہے شیطان نے برکات دعا سے محروم کرنے کیواسطے ایک حیلہ سکھا دیا ہے لہٰذا اسکا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہئے اور دعا بڑے اہتمام سے کرنی چاہئے کہ وہ خالی نہیں جاتی اور کچھ نہ ہو تو یہ کیا کچھ کم ہے کہ آخرت کے لئے اسکا اجر جمع رہے گا اور اہل حال کے جو اقوال ہیں مثلاً ؎

اُحِبُّ مناجاتِ الحبیبِ باوجہٖ   ولکن لسانَ المذنبین کلیل

(میں دوست سے سرگوشی طرح طرح سے کرنا چاہتا ہوں لیکن گنہگاروں کی زبان چلتی نہیں)

سو وہ غلبۂ حال کے ہیں جسمیں وہ معذور ہیں۔ مگر قابل تقلید نہیں۔ الحاصل حیا و تواضع میں رضائے خداوندی پیش نظر ہوتی ہے اور یہ نہ ہو تو کم ہمتی ہے۔ ان باتوں میں فرق کرنے کے واسطے بڑی ضرورت ہے علم شریعت کی اسی طرح اگر کوئی شخص لاصلوٰۃ الا بحضور القلب میں بھی یہی حیلہ جو دعا میں کیا ہے نکال لے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز چھوڑ بیٹھے گا لہٰذا ایسے وساوس ناقابل اعتبار ہیں۔ جو کچھ جیسا کچھ ہو سکے کرنا چاہئے۔ بھلا برا جو کچھ بھی ہو خدا کے دروازے پر آنا چاہئے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

(توبہ کرلے تو چاہے جو کچھ بھی کرتا رہا ہو توبہ کرلے۔ تو چاہے کافر چاہے آگ کا پجاری ہو چاہے بت کا پجاری ہو توبہ کرلے)

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(ہماری یہ درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں۔ سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے تب بھی توبہ کرلے)

ایسا شخص ایک غلطی تو یہ کرتا ہے کہ کم ہمتی سے عبادت اور طاعت اور دعا کیطرف نہیں آتا اور دوسری غلطی یہ کرتا ہے کہ اپنی نسبت گمان کرتا ہے کہ میں کسیوقت پاک صاف ہو کر حق عبادت ادا کرسکتا ہوں اور ایسے وقت عبادت کرونگا اور جو عبادت کر رہا ہے گویا بزبان حال اسکا حق ادا کرنیکا مدعی ہے اور یہ بھاری غلطی ہے۔ انسان کبھی پورا پاک نہیں ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے قابل بننا اور اسکا حق عبادت کرنا کب اس سے ممکن ہے ع

وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

(تیرا وجود ہی ایسا گناہ ہے جس کا مقابلہ دوسرے گناہ سے نہیں ہو سکتا)

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است　　کایں دلیل ہستی وہستی خطا است

(میرا تعریف کرنا بھی تعریف نکرنا ہی ہے کیونکہ تعریف کرنا گویا اپنے ہونیکی دلیل پیش کرنا ہے حالانکہ ہونیکا دعویٰ ہی گناہ ہے)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک (میں تیری تعریف پوری نہیں کر سکتا تیری تعریف بس وہی ہے جو تو نے اپنی ذات کیلئے خود فرما دی ہے) مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ اس معنی میں کہ ہم آپ کی ثنا نہیں کر سکے فرماتے ہیں ؎

خدا در انتظار حمد ما نیست　　محمدؐ چشم بر راہ ثنا نیست

(خدا کو ہماری تعریف کا انتظار نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعریف کے منتظر ہیں)

خدا مدح آفرین مصطفا بس　　محمدؐ حامد حمد خدا بس

(خدا محمد مصطفےٰ کی تعریف کرنیوالا کافی ہے اور آنحضرتؐ خدا کی تعریف کرنے والے کافی ہیں)

مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد　　بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

(اگر کوئی دعا تو کرنا چاہتا ہے تو بس اس ایک شعر کی دعا پر بھی قناعت کیجا سکتی ہے)

محمدؐ از تو می خواہم خدا را　　الٰہی از تو حب مصطفٰا را

(اے محمدؐ آپ سے تو میں خدا (تک پہنچنے کی دولت) کو چاہتا ہوں اور اے خدا میں تجھ سے آنحضرت کی محبت مانگتا ہوں)

اسی پاک سمجھنے کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں لا تزکوا انفسکم الخ ہم اور ہماری عبادت تو ایسی ہے کہ یہی غنیمت ہے کہ اسپر مواخذہ نہو کیونکہ ہماری ثنا ایسی ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست　　ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

(اگر کوئی بادشاہ کی یہ تعریف کرے کہ بادشاہ جولاہہ نہیں ہے تو یہ تعریف تو نہیں ہے مگر اسے معلوم نہیں)

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ　　وز گرانجانی و چالاکی ہمہ

(ہم (یعنی حق تعالیٰ) ہر قسم کی پاکی ناپاکی سے بری ہیں اور ہر قسم کی سستی اور تیزی سے بھی بری ہیں)

من نگردم پاک از تسبیح شاں　　پاک ہم ایشاں شوند و دُرفشاں

(میں انکے "پاک پاک" کہتے رہنے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ یہی لوگ "سبحان اللہ" کہنے سے خود پاک اور مالامال ہوتے ہیں)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انی لا ستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ حالانکہ عصمت انبیا ایک مسلم مسئلہ ہے پھر یہ استغفار گویا اپنی حالت عبادت کو کمال خداوندی کے مقابلہ میں ناتمام دیکھ کر ہوتا تھا یعنی اپنی عبادت و حمد و ثنا کو غیر قابل قرب خداوندی سمجھکر استغفار کر رہے ہیں یہ ثابت ہوا کہ ابرین مقبولین کی کیا ہیں

علوم نسبت بمقابلہ کمال حقوق خداوندی اپنے آپکو محض ہیچ سمجھ رہے ہیں اور یہ نہیں کہ وہ واقع میں کمال و وصال سے خالی ہیں بلکہ ؎

دل آرام در بر دل آرام جو | لب از تشنگی خشک و بر طرف جو

(محبوب پاس موجود مگر پھر بھی محبوب کو تلاش کر رہے ہیں۔ نہر کے کنارے موجود مگر پیاس سے بیتاب ہیں)

نگویم کہ بر آب قادر نیند | کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ پانی حاصل نہیں کر سکتے ہاں یہ ضرور ہے کہ دریائے نیل کے کنارے رہکر پانی مانگے جا رہے ہیں)

؎ دامان نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار | گلچین بہار تو ز داماں گِلہ دارد

(نگاہ کا دامن ہی خود تنگ ہے حالانکہ تیرے حسن کے پھول کثرت سے ہیں۔ تیری بہار کا جو مالی ہے اُسے دامن کے چھوٹے ہونے کی بہت شکایت رہتی ہے)

جب خواص کی یہ کیفیت ہے تو ہم عوام کس شمار میں ہیں۔ ہم پر یہ اُنکی عنایت کہ باوجود ہماری بداعمالی خراب حالی جاننے کے پھر ہمکو اپنی طاعت و حمد و ثنا۔ دعا و التجا کی رخصت دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ کرو۔ اگر وہ باوجود علم کے ہمسے کھوٹے مال اور ناقص عبادات کو قبول کرتے ہیں تو پھر بندہ کو کسی قسم کا عذر پیش کرنا گو وہ عذر ناقابلیت ہی کا ہو کس درجہ حماقت ہے ؎

چوں طمع خواہد ز تو سلطان دیں | خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(جب خود دین کا بادشاہ خدا تجھ سے لالچ کرنے کو کہے پھر تو قناعت کے سر پر خاک)

ایں قبول ذکر تو از رحمت است | چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(تمھارے اس ذکر کا قبول ہونا محض رحمت حق ہے جیسے بیماری سے خون بہنے والی عورت کی نماز جائز و مقبول ہے)

یہ دوسرا سبب تھا دعا کے نکرنیکا یعنی اپنے آپکو دعا کے قابل نہ سمجھنا جسکی اصلاح پوری طور سے کر دیگئی۔

اب تیسرا سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ سمجھکر دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی ہی نہیں پھر دعا سے کیا فائدہ سو خود یہی سمجھنا غلط ہے کہ خداوند تعالیٰ دعا قبول نہیں کرتے واقع میں موانع قبول دعا خود اپنی ذات میں ہوتے ہیں مثلاً دل سے خشوع و خضوع کیساتھ جو روح ہے ملکر دعا نکرنا محض زبان سے کہدینا۔ حدیث میں ہے ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء من قلب لاہ (بھٹکے دل کی دعا قبول نہیں) سو یہ قصور اپنا ہے ورنہ وہ ذات تو سب پر مہربان اور اُسکا فیض سب پر محیط ہے اپنے میں قابلیت نہو تو اسکا کیا علاج ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر | تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے ؎

توبہ بر لب۔ سبحہ بر کف۔ دل پر از ذوق گناہ | معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

(زبان سے توبہ۔ ہاتھ میں تسبیح اور دل میں گناہ کی چاٹ بھری ہو ہمارے ایسے استغفار کرنے پر تو خود گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے)

اور مثلاً گناہ کی بات کی دعا کرنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے جبتک گناہ اور قطیعہ رحم کی دعا نہو۔ سو بعض دفعہ اکثر دعائیں گناہ کی ہوتی ہیں اب اُنکا قبول نکرنا ہی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ مثلاً موروثی زمین کے

جھگڑے میں مالکانہ قبضے کی دعا خود گناہ ہے۔ ایسے ہی بعض لوگ بزرگوں سے دعا کراتے ہیں کہ ہمارا لڑکا فلاں امتحان میں پاس ہوجائے اسکو ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ مل جائے سو یہ دعا ہی سرے سے ناجائز ہے کیونکہ حکومت کی اکثر ملازمتیں خلاف شرع ہیں۔ اور یہ شبہ کیا جائے کہ بزرگوں کے متعلقین بعض ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ حکومت کے عہدوں پر ہوتے ہیں سو اگر یہ نوکری ناجائز ہے تو وہ بزرگ انکو کیوں نہیں روکتے" جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہیں تو یہ نوکریاں ناجائز مگر جو لوگ اسمیں مبتلا ہیں اور انکے روزگار کی صورت بجز اسکے اور کچھ ہے نہیں اگر انکو اس سے علیحدہ کردیا جائے گا اور وہ نوکری چھوڑ دینگے تو بوجہ عدم سبیل معاش وہ اس سے زیادہ کسی گناہ میں مبتلا ہونگے سو درحقیقت انکو اجازت نہیں دیجاتی بلکہ اور بہت سے بڑے گناہوں سے بچا کر ایک چھوٹے گناہ پر رکھا جاتا ہے۔ اور ایسی دعائیں خود مشائخ اور علماء کو احتیاط کرنی چاہئے کہ ایسے ناجائز مقدمات اور امور ممنوعہ کیواسطے دعا نہ کیا کریں کیونکہ گناہ ہوگا اور صاحب حاجت حسب تو صاحب الغرض مجنون ہوتا ہے اُسپر اعتبار اور بھروسہ نہیں چاہئے اگر ایسا ہی کسی کی دلشکنی وغیرہ کا خیال ہو تو یوں دعا کریں کہ یا الٰہی جسکا حق ہو اُسکو دلوائیے باقی ایسی ناجائز دعا نہ اپنے لئے کرے نہ غیر کیلئے۔ ناجائز امور کی دعا یا دعا کا غافل دل سے کرنا منجملہ ان موانع کے ہے جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی کہ درحقیقت وہ دعا اس کیلئے بہتر نہیں ہوتی اور خلاف حکمت ہوتی ہے اسلئے ترحمًا قبول نہیں فرماتے اُسکی ایسی ہی مثال سمجھئے جیسے بچہ انگارے کو اچھا سمجھکر منہ میں ڈالنے لگے تو شفیق ماں باپ اُسکو منع کرتے اور اُسکے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں ؎

آنکس کہ تو انگرت نمیگرداند ٭ او مصلحت تو از تو بہتر داند

(جو ذات تمھیں مالا مال نہیں کردیتی تو وہ تمھاری بہتری کو خود تم سے زیادہ سمجھتی ہے)

چنانچہ حکایت ہے کہ کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ دعا کرائی تھی کہ کل کی بات معلوم ہوجایا کرے موسیٰ علیہ السلام نے اسکو نصیحت کی کہ اسکو جانے دے اُسنے نصیحت نہ مانی اور اصرار کیا اُنھوں نے دعا کردی اور وہ قبول ہوگئی اُسکو معلوم ہوا کہ کل کو میرا گھوڑا مر جائیگا اُسنے فورًا بازار میں جاکر بیچ ڈالا اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کل کو میرا غلام مر جائیگا۔ وہ اُسکو بھی بیچ آیا اور بہت خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کل کو میں مر جاؤنگا بہت پریشان ہوا اور موسیٰ علیہ السلام سے جاکر عرض کیا کہ کیا کروں وحی آئی کہ اس سے کہدو تجھکو اس کشف کے انسے منع کیا گیا تھا تو نے نہ مانا آخر تو نے دیکھا کہ اصل یہ ہے کہ تیرے گھر پر ایک بلا آنیوالی تھی ہم نے چاہا جانور پر پڑجائے تو نے اُسکو جدا کردیا ہم نے چاہا کہ غلام پر پڑجائے تو نے اُسکو بھی جدا کردیا اب تو ہی رہگیا۔ اگر تجھکو پہلے سے آئندہ کی خبر نہ ہوا کرتی تو گھوڑا اور غلام کیوں بیچا جاتا اور تو معرض ہلاکت میں کیوں پڑتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بعض مصلحت انسان نہیں سمجھتا تو اس معلوم ہونے پر اُسکو بہت پریشانی اُٹھانی پڑی تھی۔ یہاں سے ذاکرین اور شاغلین کیواسطے بھی نصیحت بتانی ہے کہ جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالیٰ وارد فرمائیں اُسکو اپنے لئے بہتر جانیں اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نکریں ؎

بُدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش — کہ ہرچہ ساقیِ ما ریخت عین الطاف است

(تجھے حق نہیں کہ ساقی کی دی ہوئی شراب کو گدلی یا صاف کہے اور لینے نہ لینے میں تردد کرے۔ جو اُسنے دیا اُسے سمجھ کہ وہی اُسکی عین مہربانی ہے)

مجاہدے سے کسی خاص حالت کا قصد ٹھیک نہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن — کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

(تو بھک منگوں کی طرح مزدوری کی شرط کرکے بندگی نکر تو اپنی طرف سے مالک کو خوش کر بنکو بندگی کر وہ مالک ہے وہ غلاموں کو پالنے کے طریقے خود ہی خوب جانتا ہے)

ہر حالت جو اسکی طرف سے آئے وہی مناسب ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذوق و شوق و انبساط باعثِ عُجب ہو جاتا ہے تو مربی حقیقی اسکا علاج اسطرح فرماتے ہیں کہ حزن و ملال اور انقباض کو اُس پر مسلط کر دیتے ہیں جس سے تواضع و انکسار پیدا ہوتا ہے الغرض اپنے لئے کوئی فکر اپنی خواہش و پسند پر نہ کرنا چاہیئے ؎

فکرِ خود و رائے خود در عالمِ رندی نیست — کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(رند بننے کے بعد نہ اپنی فکر کوئی چیز ہے نہ اپنی رائے۔ اس مذہب میں تو اپنے اوپر نظر رکھنا کفر ہے کفر)

بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص حالت اور ثمرہ کے حاصل نہ ہونے پر جسکو غلط فہمی سے اُنھوں نے مقصود سمجھ رکھا ہے غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ حاصل نہیں ہوا یہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے جسکا طریق ذکر و طاعت ہے جسکو یہ حاصل ہو سب کچھ حاصل ہے تو اُن کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُن کو ذکر اور طاعت کی توفیق تو دی ہے ع بلا بودے اگر ایں ہم نبودے + حقیقت میں یہ طلب اور درد و غم بھی نعمت عظمیٰ ہے جس کا شکر کرنا چاہیئے ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست — ویں نیاز و سوز و دردت پیکِ ماست

(فرمایا کہ وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے اور تیرے اندر یہ تڑپ یہ لگن اور یہ درد ہمارے ہی بھیجے ہوئے قاصد تو ہیں)

اگر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے کوئی خادم اس امر کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ خدا کا شکر کرو اُس نے اپنا نام لینے کی توفیق تو دی ہے اور اس موقع پر اکثر یہ شعر فرمایا کرتے ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم — حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

(میں اُسے پاؤں یا نہ پاؤں تلاش کئے جاؤنگا۔ وہ ملے یا نہ ملے میں تو مانگے جاؤنگا)

اور فرمایا کرتے کہ جس طاعت کے بعد پھر اُس طاعت کی توفیق ہو یہ طاعت سابقہ کے قبول کی علامت ہے۔ قبول کتنی بڑی نعمت ہے۔ غرض قبول اسی میں منحصر نہیں کہ اُسکی خواہش کے موافق ہو اور عشاق کی نظر تو کسی قسم کے قبول پر ہوتی ہی نہیں اُنکی حالت تو یہ ہے ؎

از دعا نبود مراد عاشقاں — جز سخن گفتن بہ آں شیریں زباں

(عاشق لوگوں کی مراد دعا کرنے سے سوا اسکے کچھ نہیں کہ اس محبوب سے کچھ باتیں کرلیں)

عاشقان خدا کو عشق میں مجنوں سے کم نہونا چاہئے کیا اُسکے نام کی مشق کچھ کم دولت ہے جو اور چیزوں کی تمنّا کیجاتی ہو ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد　　در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود وانگشتاں قلم　　می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں　　می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم　　خاطر خود را تسلی می دہم

(کسی مسافر نے مجنوں کو دیکھا کہ اپنے گہرے غم میں کھویا ہوا اکیلا بیٹھا ہے۔ ریت کو کاغذ اور اپنی انگلیوں کو قلم بنائے ہوئے کسی کو خط لکھ رہا ہے اُسنے پوچھا اے پاگل دیوانے یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ خط کسے لکھ رہا ہے۔ وہ بولا میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اسطرح اپنا دل بہلا رہا ہوں)

اور علاوہ اسکے کہ وہ دعا ان کی مصلحت کے مناسب نہو کبھی یہ بھی ہوتا ہے۔ اسکا اجر آخرت کیلئے ذخیرہ کیا جاتا ہے سو تعجب ہے کہ مومن ذخیرۂ آخرت پر قناعت نکرے متاع دنیا کے حاصل نہونے پر افسوس کرے۔ مومن کامل تو نعمت اُخرویہ کے روبرو دنیوی سلطنت تک کو گرد سمجھتے ہیں ایک دفعہ سلطان سنجر شاہ ملک نیمروز نے حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں ملک نیمروز آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت نے یہ دو شعر تحریر فرمائے ؎

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد　٭　در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

(سنجر بادشاہ کے چتر کیطرح میری قسمت کا منہ کالا ہو جائے اگر مجھے ملک سنجر ملنے کی ذرا بھی لالچ ہو)

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　من ملک نیمروز بہ یک جو نمی خرم

(جس وقت سے مجھے آدھی رات (کی عبادت و گریہ و زاری) کی دولت کا پتہ چلا ہے اسوقت سے میں صوبہ نیمروز کی سلطنت کو ایک دانہ جو میں بھی خریدنا پسند نہیں کرتا)

یہ بیان تھا بقدر ضروری دعا کا بعض لوگوں کو شاید یہ شبہ ہو کہ دعا رضا بالقضا کے خلاف ہے سو اسکا جواب یہ ہے کہ دعا اور رضا دونوں جمع ہو سکتے ہیں اس طور پر کہ عین دعا کیوقت یہ قصد ہو کہ اگر دعا کے موافق ہو گیا تو یہی قضا ہے اُسپر راضی ہونگے اور اگر اُسکے خلاف ہوا تو وہی قضا ہے اُسپر راضی ہونگے اور چونکہ دعا بھی مامور بہ ہے اسلئے وہ بھی داخل قضا ہے اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے قصے سے استدلال کرے کہ انھوں نے باوجود جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کے دعا کرو۔ دعا نہیں کی اور فرمایا حسبہ عن سوالی علمہ بحالی (وہ میرا حال جانتا ہے اس لئے اُسے میرے سوال کا انتظار نہیں) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنا رضا بالقضاء اور تفویض و تسلیم کے خلاف ہے۔ تو اسکا جواب ہے کہ اول تو یہ قصہ سیر کی روایت ہے جسکو معرض استدلال میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے اگر اس قصہ کو مان بھی لیا جائے تو آسان طالبعلمانہ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ پہلی اُمت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مسئلہ نہیں جو ہم پر حجت ہو

تیسرے یہ کہ وہ صاحبِ وحی تھے اُنکو معلوم ہو چکا تھا کہ اسوقت دعا کرنا خلاف رضا ہے مولانا رُوم فرماتے ہیں ؎

کفر باشد نزدِ شاں کردن دعا — کہ اے خدا از ما بگرداں ایں قضا

(انکے نزدیک دعا کرنا کفر ہے کہ اے اللہ اپنے اس فیصلہ کو ہم پر سے ٹال دیجئے)

ہملوگ کوئی صاحب وحی نہیں جو خاص وقت کا حکم معلوم ہو سکے ہمیں تو دعا کرنیکا حکم ہے اسلئے دعا کرینگے۔ چوتھے یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ علم میں اتم واکمل ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اُسوقت غلبۂ حال میں تفویض اور تسلیم کی فضیلت منکشف تھی اور دعا کی فضیلت مستور اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت تفویض تسلیم اور رضا کی فضیلت بھی منکشف رہتی تھی اور دعا کی فضیلت بھی اسی لئے دونوں کو جمع فرمایا اور اکثر بزرگوں سے غلبۂ حال میں اس قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ جنکی نہ تقلید درست ہے نہ انکی باتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ اُن پر انکار درست ہے۔ وہ معذور ہیں چنانچہ شاہ فخر دہلوی رح ایک روز جمعہ کی نماز پڑھکر مسجد سے باہر نکلتے تھے کہ سیڑھیوں پر ایک بڑھیا نے شربت کا پیالہ پیش کیا اور کہا بیٹا اسے پی لو شاہ صاحب روزے سے تھے روزے کا کچھ خیال نہ کیا اور شربت پی لیا۔ لوگوں نے اسپر اعتراض کیا فرمایا کہ روزے کی تلافی قضا سے ہو سکتی ہے مگر دلشکنی کی تلافی نہیں ہو سکتی اِسواسطے میں نے پی لیا۔ ہمارے حاجی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس قصے کے متعلق فرمایا کہ خواجہ صاحب پر اُسوقت غلبۂ حال میں قلب مومن کی فضیلت منکشف اور روزے کی فضیلت مستور تھی اِسواسطے ایسا کیا۔ اگر کوئی صاحبِ تمکین اور اپنی حالت پر غالب ہوتا تو وہ یوں کرتا کہ نرمی سے اسکا جواب دیکر اُسکو بھی راضی رکھتا اور روزہ بھی نہ توڑتا مغلوب الحال کی تقلید کسی دوسرے کو جائز نہیں اِسکے واسطے خود شریعت کے صاف اور کھلے ہوئے احکام موجود ہیں جنمیں کوئی کھٹکا نہیں فی طلعۃ الشمس ما یُغنیك عن زُحلٍ (جب سورج نکل آیا تو پھر تمھیں زحل ستارہ کی ضرورت نہ رہے گی)۔ الغرض یہ چند اسباب موانع دعا کے بطور امور کلیہ کے بیان کئے گئے ہیں اب اُن سے اور جزئی اسباب بھی معلوم ہو سکتے ہیں جو سمجھدار آدمی سمجھ کر نکال سکتا ہے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وسلام علی المرسلین۔ تمت